پرچہ II: (انشائی طرز)	انٹر (پارٹ-II)	اُردو (لازمی)
کل نمبر: 80	2019ء (دوسرا گروپ)	وقت: 2.40 گھنٹے

(حصہ اوّل)

سوال: 2-(الف) درجِ ذیل اشعار کی تشریح کیجیے۔ نظم کا عنوان اور شاعر کا نام بھی لکھیے: (1,1,8)

یونہی یہ گردِ سرِ راہ خوش نما تارے   رواں ہیں جن کی جبینوں سے حُسن کے دھارے
زمیں کا نور ہیں اور آسماں کی زینت ہیں   کسی کی شوخیٔ رفتار کی علامت ہیں

جواب: حوالۂ متن:

نظم کا عنوان: سُراغِ راہرو   شاعر کا نام: جوش ملیح آبادی

تشریح:

پہلے شعر میں جوش کہتے ہیں کہ سڑک پر خوبصورت ستاروں کی پیشانیوں سے روشنی کے جو چشمے پھوٹ رہے ہیں اور نور کی ندیاں نکل کر بڑی تیزی سے بہہ رہی ہیں، ان سب کی حیثیت انسان کے خاکِ پا سے کچھ زیادہ نہیں، بلکہ انسان کا مقام ان سے کہیں زیادہ بلند ہے۔ شاعر گردِ کارواں اور روشن جبیں ستاروں کو انسان کے مقابلے میں کوئی وقعت نہیں دیتا۔ اُس کے نزدیک انسان اگر واقعی میں انسان ہو تو پھر یہ سب چیزیں اس کے مقابلے میں ہیچ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ شاعر محبتِ انسانیت کا درس دیتا دکھائی دیتا ہے۔ اس لیے کہ وہ بلا مذہب و ملت انسانیت کو پنپتا دیکھنا چاہتا ہے۔ اس کے شعروں میں خلوص اور تاثیر پائی جاتی ہے۔

دوسرے شعر میں شاعر عظمتِ انسان کی گواہی دیتے ہوئے یہ کہہ رہا ہے کہ یہ ستارے، کہکشاں، چاند، سورج، زمین اور آسمان کا نور اور حسن ہیں اور یہ سب اس بات کی شہادت دے رہے ہیں کہ کوئی انسان ان راہوں سے گزرا ہے یعنی یہ سب سیارے انسان کے خادم ہیں اور انسان ہی کے لیے بنائے گئے ہیں۔ عظمتِ انسان کے مقابلے میں ان کی بلندی اور ان کی روشنی کچھ حیثیت نہیں رکھتی۔ چاند تک تو انسان پہنچ چکا ہے۔ اس کے قدم چاند کی زمین چھو چکے ہیں۔ اس کے علاوہ انسان دوسرے سیاروں پر جانے کے لیے بھی پر تول رہا ہے۔ وہ دن دور نہیں جب یہی سیارے حقیقت میں انسان کے پاؤں کی دھول ہوں گے۔

(ب) درجِ ذیل اشعار کی تشریح الگ الگ کیجیے اور شاعر کا نام بھی لکھیے۔ (1,3,3,3)

موت! کیا آ کے فقیروں سے تجھے لینا ہے   مرنے سے آگے ہی' یہ لوگ تو مر جاتے ہیں
دیدوادید جو ہو جائے' غنیمت سمجھو   جوں شرر ورنہ ہم اے اہلِ نظر جاتے ہیں
ہم کسی راہ سے واقف نہیں' جوں نورِ نظر   رہنما تُو ہی تُو ہوتا ہے' جدھر جاتے ہیں

جواب: شاعر کا نام: خواجہ میر درد

شعر نمبر-1

تشریح:

خواجہ میر دردؔ موت سے مخاطب ہو کر اسے کہ رہے ہیں کہ موت تُو فقیروں سے کچھ نہیں چھین سکتی' کیونکہ جو لوگ موت سے پہلے ہی مر چکے ہوں اُن کا موت کیا بگاڑ لے گی۔ شاعر کہتے ہیں کہ فقیر اور درویش لوگ زندگی کو موت کی امانت سمجھتے ہیں۔ یہ لوگ زندگی کی آسائشوں سے کنارہ کش ہو کر ہر گھڑی موت کی تمنا کرنے والے لوگ ہوتے ہیں۔ اس لیے یہ موت سے نہیں ڈرتے۔

شعر نمبر-2

تشریح:

اس شعر میں خواجہ میر دردؔ زندگی کی اس حقیقت کو سمجھاتے ہیں کہ یہ زندگی عارضی اور ختم ہونے والی شے ہے۔ یہ ایک چنگاری کی مانند ہے۔ جس طرح چنگاری کچھ دیر کے لیے روشن ہوتی ہے اور پھر اس کے بعد راکھ میں بدل جاتی ہے' یہ زندگی بھی ایسی ہی ہے جو چند سالوں کے بعد ختم ہو جائے گی۔ شاعر کہتے ہیں کہ میں اس عارضی و مختصر حیات کو غنیمت قرار دیتا ہوں۔ اس مختصر مہلت میں اگر ہم دوست احباب سے ہنس بول لیتے ہیں' ایک دوسرے کا دیدار کر لیتے ہیں تو یہ بڑی نعمت ہے' کیونکہ کچھ معلوم نہیں کہ کب موت کا پروانہ آ جائے۔

شعر نمبر-3

تشریح:-

خواجہ میر دردؔ فرماتے ہیں کہ انسان دنیا کی کسی راہ سے بھی آگاہ ہی نہیں رکھتا۔ یہ جہاں بھی جاتا ہے اُس کی رہنمائی اللہ تعالیٰ ہی کرتا ہے' بلکہ اس طرح جیسے انسان کو اس کا باہر کا ماحول اس کی آنکھوں کی بینائی سمجھاتی ہے۔

سوال: 3- سیاق وسباق کے حوالے سے کسی ایک جز کی تشریح کیجیے۔ نیز سبق کا عنوان اور مصنف کا نام بھی لکھیے۔ (10,3,1,1)

(الف) بڑے بڑے جلسوں میں جب معاملہ بگڑنے لگتا اور یہ اندیشہ پیدا ہو جاتا کہ کہیں جلسہ درہم برہم نہ ہو جائے، تو اُس وقت نواب صاحب کی خوش بیانی، فصاحت اور ظرافت جادو کا کام کر جاتی تھی اور منغّض اور مکدّر چہرے بشاش اور شگفتہ ہو جاتے تھے۔ ان کی باتوں اور تقریروں میں ظرافت کی چاشنی بڑا مزہ دیتی تھی۔ باتوں میں ظرافت کبھی کبھی شوخی کی حد تک پہنچ جاتی تھی۔ دوسروں سے کام لینے کا انھیں بڑا اچھا سلیقہ تھا۔ وہ کچھ ایسے مہر آمیز طریقے سے کہتے تھے اور اس طرح ہمت افزائی کرتے کہ لوگ خوشی خوشی اُن کا کام کرتے تھے۔ اپنے ملازموں اور ماتحتوں سے بھی اُن کا سلوک ایسا تھا کہ وہ ان کی فرمائش کی تعمیل ایسی تن دہی سے اور شوق سے کرتے تھے جیسے ان کا کوئی ذاتی کام ہو اور وقت پر جان لڑا دیتے تھے۔

جواب: حوالۂ متن:

سبق کا عنوان: نواب محسن الملک   مصنف کا نام: مولوی عبدالحق

سیاق وسباق:

نواب محسن الملک کو اللہ تعالیٰ نے بہت سی خوبیاں عطا کی تھیں ان میں سے ایک خوبی ان کا نہایت خوش بیان اور خوش الحان ہونا تھا۔ ان کی آواز میں دلکشی اور شیرینی تھی۔ تقریر کرتے وقت ان کے منہ سے پھول جھڑتے تھے اور جو لوگ ان کی تقریر سنتے وہ ان کے گرویدہ ہو جاتے۔ نواب صاحب کی ایک اور خوبی یہ تھی کہ وہ مردم شناس بھی تھے۔ وہ تھوڑی سی ملاقات اور بات چیت میں ہی آدمی کو پوری طرح پرکھ لیتے تھے۔ چنانچہ برے لوگ ان کو نقصان پہنچانے کی جرأت نہیں کر سکتے تھے۔

تشریح:-

اس پیرے میں مصنف نے نواب محسن الملک کی خوش بیانی، دوسروں سے کام لینے کی خصوصیت اور ملازموں اور ماتحتوں سے ان کے سلوک کو بیان کیا ہے۔ مصنف کہتا ہے کہ قدرت نے نواب صاحب کو خوش بیانی کا ملکہ عطا کیا ہوا تھا۔ بدرالدین جی طیب، جو سرسید کی تحریک کے زبردست مخالف تھے اور اس وجہ سے علی گڑھ کالج کی بھی مخالفت کرتے تھے، جب آل انڈیا مسلم نیشنل کانفرنس کے اجلاس کی صدارت کر رہے تھے تو اس اجلاس کے موقع پر نواب صاحب نے اتنی پُر زور تقریر کی کہ انھوں نے بھی

اپنی جیب سے عطیہ دیا۔ جب کسی جلسہ میں گڑبڑ ہونے لگتی تو نواب صاحب کی شیریں بیانی سے حالات سدھر جاتے۔ وہ باتوں باتوں میں معاملات کو سلجھا دیتے تھے۔ وہ دوسروں سے کام لینا بھی اچھی طرح جانتے تھے۔ وہ نہایت محبت اور شفقت سے دوسروں کو کوئی کام کہتے تھے اور سننے والا ان کا کام کر کے خوش ہو جاتا تھا۔ لوگ بڑی خوشی سے ان کا کام کر دیتے تھے اور اپنے لیے ذرا بار محسوس نہیں کرتے تھے۔ وہ اپنے ملازموں اور ماتحتوں سے پیار اور محبت کا سلوک کرتے۔ ان کے ملازم ان کے بڑے گرویدہ تھے اور وہ نواب صاحب کا ذاتی کام بھی بڑے شوق اور محنت سے کرتے تھے تاکہ نواب صاحب خوش ہو جائیں۔ اگر نواب صاحب کسی ملازم یا اہلکار کو کوئی کام کہتے تو وہ اتنے شوق سے کرتے جیسے یہ ان کا اپنا کوئی ذاتی کام ہو اور اس مقصد کے لیے اپنی جان بھی لڑا دیتے تھے۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہ نواب محسن الملک دل خوش کن اور مہربان شخصیت کے مالک تھے۔

(ب) پرووسٹ کے دفتر میں سب سے اہم عہدے پر ہونے کے سبب ان کا سابقہ اساتذہ، بیرا، باورچی، نائی، چپڑاسی، بھنگی، بہشتی سب ہی سے براہِ راست پڑتا تھا۔ طلبہ کو خوش اور مطمئن رکھنا معمولی بات نہیں ہے۔ ان کا ایوب صاحب سے طرح طرح سے سابقہ پڑتا تھا۔ وہ ہر طالب علم کے خاندانی حالات و معاملات سے واقف رہتے تھے اور اسی اعتبار سے اُن سے سلوک کرتے تھے۔ اس لیے ہر طالب علم اُن کو اپنے گھر کے بزرگ اور خیر اندیش کی حیثیت سے دیکھتا تھا۔ یونیورسٹی میں اسٹرائیک ہے۔ لڑکے ہیں کہ بے قابو ہوئے جاتے ہیں لیکن ایوب صاحب کا جادو برابر کام کر رہا ہے۔ ایسے زمانے میں ان کا طرزِ عمل لڑکوں سے وہی ہوتا جو میدانِ جنگ میں صلیبِ احمر کا ہوتا ہے۔

جواب: **حوالۂ متن:**

سبق کا عنوان: ایوب عباسی　　**مصنف کا نام:** پروفیسر رشید احمد صدیقی

سیاق وسباق:

رشید احمد صدیقی اپنے دوست مرحوم ایوب عباسی کے بارے میں بتاتے ہیں کہ ان کے مرنے کے بعد ہمیں یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ ہماری زندگی کا اسی طرح لازمی جزو تھے جس طرح کہ پانی، ہوا اور روشنی ہماری زندگی کے لیے ناگزیر ہیں۔ مرحوم شخصیت اور قابلیت کے لحاظ سے کسی بھی طور پر غیر معمولی آدمی نہ تھے، لیکن ان کے کردار کی خوبیوں نے انھیں لوگوں کے لیے بے حد دلکش بنا دیا تھا۔ وہ اپنے عزیزوں اور دوستوں سب کے کام آتے اور ان کی تمام ضروریات کا خیال رکھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر شخص چھوٹا بڑا، امیر

غریب ان کا دل سے احترام کرتا تھا۔ ان کی وفات پر یونیورسٹی کے طلبہ اور معززین کے علاوہ نچلے طبقے کے لوگوں مثلاً بھنگی، بہشتی، چپڑاسی، نائی اور دھوبی وغیرہ بڑی تعداد میں ان کے سوگواروں میں شامل تھے۔

تشریح:

اس پیرے میں مصنف یہ بیان کرتا ہے کہ ایوب عباسی ہاسٹل میں پرووسٹ، یعنی منتظم اعلیٰ کے دفتر میں ایک اہم عہدے پر فائز تھے۔ بظاہر وہ ایک عام سے آدمی تھے، لیکن اخلاق و کردار میں بہت بلند مقام رکھتے تھے۔ وہ یونیورسٹی میں اساتذہ اور چھوٹے ملازمین کا خیال کرتے اور صلہ و ستائش کی تمنا کیے بغیر ان کی خدمت کرتے۔ وہ طالب علموں کو بھی راضی رکھتے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ طالب علموں کے گھریلو حالات سے واقف ہوتے تھے۔ چنانچہ جب کبھی اُن کو یہ معلوم پڑتا کہ کسی طالب علم کے لیے اپنے گھریلو حالات کی وجہ سے پڑھائی کو جاری رکھنا یا ہاسٹل میں قیام کرنا ممکن نہیں تو وہ اس کو اپنے گھر میں ٹھہرا لیتے اور اس کی تعلیم اور طعام کے اخراجات اپنی جیب سے ادا کرتے۔ ایوب عباسی کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ جامعہ میں جتنے طلبہ نے ان کے گھر میں رہ کر تعلیم حاصل کی اتنا کسی اور شخص سے اب تک نہ ہوا۔ یہی وجہ تھی کہ طالب علم نہ صرف ان کی بڑی قدر کرتے تھے، بلکہ ان کو اپنے گھر کے بڑے بزرگ اور خیر اندیش کی حیثیت سے دیکھتے تھے علاوہ ازیں جب یونیورسٹی میں کبھی ہڑتال کا موقع ہوتا تو وہ صلیبِ احمر یعنی ریڈ کراس کا کردار ادا کرتے اور سب طالب علم ان سے بہت خوش رہتے۔

سوال :4- درج ذیل میں سے کسی ایک نصابی سبق کا خلاصہ لکھیے اور مصنف کا نام بھی تحریر کیجیے: (1,9)

(الف) نواب محسن الملک (ب) قرطبہ کا قاضی

جواب :

(الف) نواب محسن الملک

جواب کے لیے دیکھیے پرچہ 2016ء (دوسرا گروپ)، سوال نمبر 4 (الف)۔

(ب) قرطبہ کا قاضی

جواب کے لیے دیکھیے پرچہ 2018ء (پہلا گروپ)، سوال نمبر 4 (ب)۔

سوال :5- احسان دانش کی نظم ''تغیّر'' کا خلاصہ تحریر کیجیے۔ (5)

''تغیّر''

خلاصہ:

زندگی مسلسل تبدیلیوں کا نام ہے۔ کائنات کی ہر شے کسی ایک جگہ پر جامد نہیں' بلکہ حرکت میں ہے۔ ہر تاریکی اُجالے کا اور ہر صدا خاموشی کا انتظار کرتی ہے۔ باغ میں بہار کا انجام خزاں اور پتے کا مقدر ڈالی سے ٹوٹنا ہے۔ خوشبو بکھرنے کے لیے اور موسم بدلنے کے لیے بے چین رہتے ہیں۔ سورج ہو یا چاند اور بستیاں ہوں یا ویرانے' سب ایک حالت سے دوسری حالت میں تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ سب پر تغیر و تبدّل کا جادو چل کر رہتا ہے۔ گویا کسی شے کو بھی سکون اور قرار نہیں۔

سوال :6- درجِ ذیل عنوانات میں سے کسی ایک عنوان پر مفصل مضمون تحریر کیجیے: (20)

(الف) معاشرتی برائیاں اور اُن کا سدِ باب (ب) قوموں کی ترقی کا راز

(ج) گداگری ایک لعنت

جواب :

(الف) معاشرتی برائیاں اور اُن کا سدِ باب

ہمارا معاشرہ بہت سی برائیوں سے اَٹا پڑا ہے۔ اگر چہ ہمارا ملک مذہب کے نام پر حاصل کیا گیا تھا' مگر جوں جوں وقت گزرتا گیا افرادِ معاشرہ اسلام سے دور ہوتے چلے گئے اور جوں جوں آبادی بڑھتی گئی معاشرے میں مختلف برائیاں بھی جنم لیتی گئیں۔ اب صورتِ حال یہ ہے کہ ذاتیت پرستی کا رجحان اجتماعی سوچ پر غالب آ چکا ہے۔ اور ذاتی مفاد کی خاطر کسی برائی کو برائی نہیں سمجھا جاتا۔ رشوت' سفارش' اقربا پروری' سمگلنگ' ذخیرہ اندوزی' ناجائز منافع خوری' منشیات فروشی وغیرہ یہ سب وہ سماجی برائیاں ہیں' جو ہمارے معاشرے کو گھن کی طرح کھائے جا رہی ہیں۔

رشوت خوری سب سے بڑی لعنت ہے جس نے معاشرے کی بنیادوں کو کھوکھلا کر کے رکھ دیا ہے۔ حالانکہ اسلام نے رشوت لینے اور دینے والے دونوں کو جہنمی کہا ہے' مگر یہ سب کچھ جاننے کے باوجود ہمارے ہاں ہر شعبۂ حیات میں نیچے سے اوپر تک تمام ادنیٰ و اعلیٰ رشوت کے رسیا ہو چکے ہیں۔ آپ کسی بھی محکمے میں چلے جائیں بغیر رشوت کے کوئی کام ہوتا دکھائی نہیں دیتا۔ رشوت کی لعنت کو ختم کیے بغیر ایک مقدس معاشرے کا تصور کرنا ناممکن ہے۔ سفارش بھی وہ سماجی برائی ہے جس نے رشوت کی طرح مستحق لوگوں کو ان کے حق سے محروم کر رکھا ہے۔ نااہل لوگ رشوت اور سفارش کے بل بوتے پر ایسے عہدوں پر فائز ہو جاتے ہیں جس کے حقدار کوئی اور لوگ ہوتے ہیں اور یہ ناانصافی اور حق تلفی مستحق اور لائق لوگوں کے لیے مایوسی اور ناامیدی کا باعث بنتی ہے۔

جو گراں تھے سینۂ خاک پر وہی بن کے بیٹھے ہیں معتبر
جنھیں زندگی کا شعور تھا انھیں بے زری نے مٹا دیا

مادیت پرستی کے جدید دور نے لوگوں کو ہوسِ زر میں مبتلا کر دیا ہے۔ چنانچہ جائز و ناجائز کی تمیز کیے بغیر لوگ زیادہ سے زیادہ منافع کمانے کی فکر میں لگے رہتے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ لوگ ناجائز منافع خوری کے لیے ملاوٹ، ناپ تول میں کمی، مصنوعی قلت، ذخیرہ اندوزی جیسے اسلام کے منافی کاموں کے مرتکب ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ لوگ اشیائے خورونوش میں بھی ملاوٹ سے گریز نہیں کرتے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ عوام کی صحت کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچاتے ہیں۔ اسی طرح سمگلنگ اور چور بازاری بھی کی جاتی ہے اور وہ لوگ جو بڑے بڑے معزز دکھائی دیتے ہیں وہ بھی اس گھناؤنے کاروبار میں ملوث پائے جاتے ہیں۔

ہمارے معاشرے کی ایک اور اہم برائی گداگری ہے۔ انسدادِ گداگری کے لیے مختلف ادوار میں غور تو کیا گیا، مگر اس کو ختم کرنے کے لیے سنجیدہ کوششیں نہیں کی گئیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ پیشہ ور بھکاریوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ اور اب صورتِ حال یہ ہے کہ آپ اسٹیشن پر جائیں یا بس سٹاپ پر، تفریح گاہ کا رخ کریں یا بازار کا، تاریخی مقامات پر جائیں یا مزارات پر، آپ کو ہر جگہ گداگروں کی فوج ظفر موج دکھائی دے گی۔ گاڑیوں اور بسوں میں بھی بھکاری آپ کا پیچھا نہیں چھوڑتے۔ حالانکہ اسلام میں سوال کرنے کی سخت مذمت کی گئی ہے۔ اور اللہ کے نام پر مانگنے والوں کو "ملعون" قرار دیا گیا ہے۔ مستحق، معذور اور اپاہج فقیروں کے علاوہ ہٹے کٹے اور پیشہ ور بھکاریوں کی ہر حال میں حوصلہ شکنی کی ضرورت ہے۔ ایسے افراد کو روزگار پر لگایا جانا چاہیے۔

اقربا پروری نے بھی ہمارے معاشرے کو بہت نقصان پہنچایا ہے۔ جو لوگ کسی بڑے عہدے پر پہنچ جاتے ہیں وہ اپنے عزیز و اقارب کو نوازنے کے درپے رہتے ہیں۔ اور ان کے نااہل ہونے کے باوجود انھیں مختلف عہدوں پر تعینات کر دیتے ہیں۔ جس سے متعلقہ محکمے کی کارکردگی پر بہت بُرے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ نیز وہ لوگ اپنے ہی جیسے نااہل اور غیر مستحق لوگوں کی اہلیت کا خیال کیے بغیر انھیں نوازنے کی کوشش کرتے ہیں اور اس طرح سے نااہل ملازموں کا ایک سلسلہ چل نکلتا ہے، جو کام چوری، اقربا پروری اور سفارش کی بنا پر محکمانہ کارکردگی میں دراڑیں ڈال کر اسے کھوکھلا کر دیتے ہیں۔

منشیات جدید معاشرے کا سب سے گھناؤنا روگ ہے جو نئی نسل کو تیزی سے تباہی کی طرف لے جا رہا ہے۔ اسلام نے ہر قسم کے نشے کو حرام قرار دیا ہے۔ یوں تو اس نشے میں تمباکو نوشی، شراب نوشی، بھنگ، افیون سبھی شامل ہیں، لیکن سب سے خطرناک اور مہلک نشہ ہیروئین ہے، جسے سفید موت بھی کہا جاتا ہے۔ ہیروئین نے نوجوان نسل کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچایا ہے اور اس کاروبار میں ہمارے معاشرے

کے سرکردہ اور بااثر افراد بھی شامل ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس پر قابو پانے کی بجائے اس کا دائرہ اثر وسیع سے وسیع تر ہوتا جا رہا ہے۔ اربابِ بست و کشاد کو چاہیے کہ وہ منشیات کے انسداد کے لیے سخت قوانین وضع کر کے اس کے ازالے کی پوری کوشش کریں۔

آخر میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ اگر ہم ان سماجی برائیوں سے نجات کے خواہاں ہیں تو ہمیں مکمل طور پر اسلامی نظامِ حیات کو اپنانا ہوگا' کیونکہ یہی وہ مکمل نظام ہے جس میں ہر مسئلے کا حل ہے۔ جس میں اخوت اور بھائی چارے کا درس دیا گیا ہے۔ جس میں ایک دوسرے کی پاسداری کا سبق ہے۔ جس میں حلال و حرام کی تمیز ہے۔ جس میں دوسروں کے ساتھ ہمدردی اور محبت کی تلقین کی جاتی ہے۔ تشکیلِ پاکستان کے بعد تعمیرِ پاکستان کے لیے بھی اسی جذبہ اسلامی کو اپنانا ہوگا۔ جس جذبے کی بنا پر تمام رکاوٹوں پر غالب آ کر ہم نے اپنا الگ ملک پاکستان حاصل کیا' اس مملکتِ خداداد میں اللہ کا قانون ہی تمام مسائل کا حل ہے۔

(ب) قوموں کی ترقی کا راز

قوموں کی ترقی کے حوالہ سے تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو واضح ہو جاتا ہے کہ عالم رنگ و بو میں جن افراد کی شمشیریں زنگ آلود ہو گئیں اور جن کی انگلیاں طاؤس و رباب کے تاروں پر محو رقص رہیں۔ وہ لوگ ہمیشہ دولت و عزت' متاع زیست اور شہرت دوام سے محروم رہ گئے۔ جن اقوام نے کاکل و رخسار کی سحر انگیزیوں' حسن و رعنائی کی عطر و مشک اور سفلی جبلتوں کی ہوس پرستی پر سپاہیانہ جوہر نچھاور کر دیے' اور میدانِ کارزار کو خیر باد کہہ دیا۔ ان کے تابندہ نقوش لوح جہاں سے ماند پڑ گئے۔

دنیا کا کوئی بھی فن اس وقت تک دوام حاصل نہیں کر سکتا جب تک اس میں خون جگر شامل نہ ہو۔ آرٹ کی چوٹی سر کرنے کے لیے فنکار کو سنگلاخ چٹانوں پر چلنا پڑتا ہے۔ نغمہ اس وقت تک موسیقیت پیدا نہیں کر سکتا جب تک آواز میں درد کی انتہا نہ ہو۔ شاید علامہ اقبال بھی خون جگر صرف کرنے کا مشورہ دیتے ہیں کہ نقوش کی تکمیل ہو۔

نقش ہیں سب نا تمام' خون جگر کے بغیر
نغمہ ہے سودائے خام' خون جگر کے بغیر

حقیقت کا تجزیہ ممکن نہیں تاہم تاریخ کے اوراق قرطبہ و غرناطہ کے کھنڈرات کی صورت میں عظیم مسلمان قوم کے کمال فن کی وہ رعنائی پیش کر رہے ہیں جن کی تابانی سے شمس و قمر کی آنکھیں خیرہ محسوس ہوتی ہیں۔ جب کہ ایک عرصہ ہوا ان کی وہ چمک دمک نظر نہیں آتی۔

ہر قوم اپنے اسلاف کی روایات کی امین ہے۔ جو قوم اسلاف کی عظیم روایات سے منہ موڑ لیتی

ہے۔سپاہیانہ سخت کوشی کی بجائے تن آسانی کو اپنا رفیق حیات سمجھ لیتی ہے۔تو اقدارِ زیست چھن جایا کرتی ہے۔غلامی اور پسماندگی ان کا دائمی مقدر بن جاتی ہے۔آئندہ نسلیں ان کی ویراں قبروں پر حقارت سے کنکر پھینکا کرتی ہیں۔مگر اس کے برعکس کامیاب و کامران اقوام وہ ہیں جنھوں نے نیابت الٰہی کے حقیقی مفہوم کو سمجھا۔پھولوں کے عارضی حسن سے نکل کر کانٹوں کے راستوں پر چلے۔جنھوں نے سلگتی چنگاریوں کو کلیوں سے تشبیہ دی۔جن کے عزم و ثبات نے پہاڑوں سے ٹکرانے کو بچوں کا کھیل جانا اور دریاؤں کی طغیانیوں کو سراب قرار دے کر ثابت کر دیا کہ عظمت صرف اور صرف سخت کوشی کا نام ہے۔اسی سخت کوشی میں قوموں کی ترقی کا راز پنہاں ہے:

دشت تو دشت ہیں دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے
بحر ظلمات میں دوڑادیئے گھوڑے ہم نے

مصیبتوں اور دُکھوں سے کھیلنا جوانمردی ہے۔اگر ہمت جواں ہو تو مصیبتوں کے پہاڑ کٹ جاتے ہیں۔
کامیاب اقوام وہ ہیں جو مشکلات کا سامنا کرتی ہیں۔مصیبتوں سے وہ کبھی نہیں گھبراتیں۔
مصیبتوں اور نامساعد حالات میں مسکرانا عظیم قوموں کا شیوہ ہے۔بقول شاعر

ہر مصیبت کا دیا اک تبسم سے جواب
یوں گردش دوراں کو رلایا ہم نے

مسلمان قوم نے اپنے مقاصد کے حصول کے لیے کبھی حالات و واقعات کو حائل نہیں ہونے دیا۔
تاریخ کا مطالعہ کریں تو کہیں خالد بن ولید کی سپہ گری نظر آتی ہے تو کہیں طارق بن زیاد کشتیاں نذرِ آتش کرتے دکھائی دیتے ہیں۔اگر حضرت امام حسینؓ پر پیاس طاری ہو جاتی ہے تو بھی معرکہ حق میں ثابت قدم نظر آتے ہیں۔ورنہ پانی تو زندگی کی اہم ترین ضرورت ہے۔یہی وہ صادق جذبے ہیں جو نہ صرف قوموں کو نئی زندگی بخشتے ہیں بلکہ قوموں کی ترقی میں کلیدی کردار ادا کرتے ہیں۔
عظمت کا معیار بھی ایسے افراد ہوتے ہیں جو جان سے گزر کر مقصد کو حاصل کرتے ہیں۔عالم رنگ و بو میں وہ افراد امر ہو جاتے ہیں۔تاریخ ان کی پیروی کی دعوت دیتی ہے۔مسلمانوں کی عظمت و سطوت کو دیکھ کر اقوام کے عروج و زوال اور ترقی و پسماندگی کا بخوبی راز مل سکتا ہے۔علامہ اقبال نے اپنے تمام کلام میں "خودی" کا جو پیغام دیا ہے۔وہ دراصل نیابت الٰہی کا حصول ہے۔اقبال اپنے نوجوانوں کو بیدار کرنے کے عمل پر اکساتے ہیں اور علم و فن کی عظمت کے متلاشی ہیں۔اپنی عظمت کے متعلق خود مردِ مومن اقبال کہتے ہیں:

دہر کر دیتے ہیں موتی دیدۂ گریاں کے ہم
آخری بادل ہیں اک گزرے ہوئے طوفاں کے ہم

آئینۂ تاریخ میں آج بھی ان مناظر کا عکس واضح طور پر دیکھا جا سکتا ہے۔ جب مسلمان پیامِ انقلاب لے کر اٹھے تو دنیا کی بڑی سے بڑی طاقتیں بھی ان کے آگے ٹھہر نہ سکیں۔ دنیا میں انقلاب اپنے لہو سے ہی اقوام لاتی رہی ہیں۔ ہٹلر نے اپنی قوم میں جب ذوقِ انانیت کو اُجاگر کیا تو دنیا کی عظیم الشان طاقتیں بھی پیچھے ہٹنے پر مجبور ہو گئیں۔ مصطفیٰ کمال اتاترک نے جب اپنی قوم کو انقلاب کا درس احساس خودداری اور آزادی کی تڑپ کی صورت میں دیا تو ترک قوم کو نئی زندگی ملی اور وہ ترقی کر گئی۔ ویت نامی قوم میں جب تک سپاہیانہ اور عسکری جوہر غالب تھے تو دنیا کی عظیم طاقت کہلانے والا امریکہ بھی اسے شکست نہ دے سکا۔ اسی میں اقوام کی ترقی کا راز چھپا ہوا ہے۔

آج بھی پسماندہ اقوام جنگی پیچ وخم اور جدید ٹیکنالوجی سے ناآشنائی کی وجہ سے خودساختہ بڑی طاقتوں کے آگے کھلونا بنی ہوئی ہیں۔ اس لیے تقاضائے وقت اور ضرورت حال یہی ہے کہ خیالات سے نکل کر اسلاف کی تقلید میں فتح ونصرت کے معرکوں کی داستانیں رقم کریں۔ اور ماضی کی طرح ایک بار پھر ہماری قوم ترقی کی منازل طے کرے۔

اقوام کے عروج وزوال اور ترقی وپسماندگی کا نظریہ فقط ''طاقت'' ہے۔ اسی لیے اقبال مرغ ناتواں کی حالت زار پر کچھ اس طرح نوحہ خواں ہیں:

افسوس صد افسوس کہ شاہیں نہ بنا تو
دیکھے نہ تیری آنکھ نے فطرت کے اشارے
تقدیر کے قاضی کا یہ فتویٰ ہے ازل سے
ہے جرمِ ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات

علامہ اقبال نے اپنے آفاقی کلام میں قوموں کے عروج وزوال کا فلسفہ کچھ اس انداز میں بیان کیا ہے:

میری نظر میں یہی ہے جمال و زیبائی
کہ سر بسجدہ ہیں قوت کے سامنے افلاک

ورنہ بے عمل افراد تقدیر کا شکوہ کرتے نظر آتے ہیں۔

مختصر یہ کہ قوموں کی ترقی کا راز صرف جرات وہمت سے ممکن ہے۔

ترقی کے لیے خودی میں ڈوب کر محنت کی ضرورت ہے۔ ہمیں چاہیے کہ علامہ اقبال کے فرامین پر عمل کریں تاکہ ہماری سنگ راہ سے ہزاروں چشمے رواں ہوں۔ بقول اقبال

ہزار چشمہ ترے سنگِ راہ سے پھوٹے
خودی میں ڈوب کر ضربِ کلیم پیدا کر

(ج) گداگری ایک لعنت

گداگری کی لعنت ہمارے معاشرے میں کینسر کی طرح پھیلتی جا رہی ہے۔اس نے ایک بڑے ناسور کی شکل اختیار کر لی ہے۔اسے ایک پیشے کے طور پر اپنایا جا رہا ہے' جو ایک گورکھ دھندے کی صورت اختیار کر چکا ہے۔گداگر اس مکڑی کی طرح اس میں پھنسے ہوئے ہوتے ہیں جو اپنے گرد ہی جالا بُنتی ہے۔

ادبی خدمات پر نوبل پرائز لینے والی پرل بک لکھتی ہیں کہ:

ماحول' خوف اور بھوک کے اثرات انسان میں بڑی تبدیلیاں لے آتے ہیں۔اسے پتہ بھی نہیں چلتا کہ وہ کس سانچے میں ڈھلتا جا رہا ہے۔جیسے کوئی ننھا پودا وزنی پتھر کے نیچے دبا ہو۔اسے بھی اپنی زبوں حالی کا پتہ نہیں چلتا' پتھر ہٹانے پر وہ روشنی کی طرف لپکتا ہے۔اور ہرا بھرا ہو جاتا ہے۔

گداگر ہر کسی کے سامنے ہاتھ پھیلاتا' سوال کرتا اور ہر جگہ پر ذلیل و خوار ہوتا ہے۔دکھوں اور فاقوں کی گدڑی میں زندگی گزار کر دُنیا سے چلا جاتا ہے۔گداگر بھیک مانگنے کے نت نئے طریقوں سے انسانیت کی تذلیل کرتا ہے۔بوڑھے' کمزور' لنگڑے' لولے' اپاہج' اندھے' بابو جی! کل سے بھوکا ہوں ''اللّٰہ کے نام پر''، ''سخی بابا کچھ دے دو''، ''مولا خوش رکھے مدینے والی سرکار کے صدقے'' جیسے جملے ادا کرتے ہیں۔لوگ ڈانٹتے ہیں۔نفرت بھی کرتے ہیں۔خدا ترسی بھی ہوتی ہے۔اور گداگر ہمیشہ کے لیے اس حدیث کو فراموش کر دیتے ہیں۔

''رزقِ حلال کمانا عین عبادت ہے۔''

مذہبِ اسلام سختی سے گداگری کی مذمت کرتا ہے۔نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا: ''جو آدمی ہمیشہ لوگوں سے سوال کرتا رہتا ہے' قیامت کے دن اس کے چہرے پر گوشت نہ ہوگا۔''

اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے حضرت ابوبکرؓ' حضرت ابوذرؓ اور حضرت ثوبانؓ سے فرمایا: کسی سے کچھ نہ مانگنا اگرچہ تمھارا چابک گر پڑے۔رسالت مآب صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے فرمایا:

''اگر کوئی گداگر مجھ سے وعدہ کرے کہ وہ بھیک نہیں مانگے گا تو میں اسے جنت کی بشارت دوں گا۔''

نیٹ ورک کی شکل میں اس منظم پیشے سے ملک میں 20 فی صد سے بھی زیادہ لوگ منسلک ہو چکے ہیں۔گلیاں' بازار' ریلوے اسٹیشن' ہوٹل' چوراہے' پلازے' ہسپتال' تفریحی مقامات ان گداگروں کی جنت ہیں۔جہاں پر وہ لوگوں کو نفسیاتی حربوں سے زیر کر کے ان کی جیبیں خالی کروا لیتے ہیں۔بچے' بوڑھے

عورتیں، مرد سب اس تربیت کے اڈوں سے تربیت یافتہ ہوتے ہیں۔ گداگروں نے علاقے تقسیم کر رکھے ہیں۔ ہر علاقے کا ٹھیکیدار اپنے بھکاریوں کی جگہ کا تعین کرتا ہے اور جب کبھی حکومت ایکشن لے تو ان کو تحفظ دیتا ہے۔ اتنی زیادہ تعداد میں گداگروں کو دیکھ کر دل میں سوال اٹھتا ہے۔ کیا واقعی ہم ایک بھکاری قوم ہیں؟

گداگری قومی اور اجتماعی زندگی کو اندر ہی اندر دیمک کی طرح کھوکھلا کر رہی ہے۔ اقدار کی تبدیلی کی وجہ سے انسان معاشی حیوان بن کر رہ گیا ہے۔ پیسے کی دوڑ اس میں اضافے کا سبب بن رہی ہے۔ گداگری قومی اور اجتماعی زندگی کو اندر ہی اندر دیمک کی طرح کھوکھلا کر رہی ہے۔ اقدار کی تبدیلی کی وجہ سے انسان معاشی حیوان بن کر رہ گیا ہے۔ پیسے کی دوڑ اس میں اضافے کا سبب بن رہی ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ 80 تا 90 فیصد لوگ غریب گھرانوں میں پیدا ہوئے ہیں، لیکن انھوں نے محنت و لگن سے زندگی میں اپنا ایک مقام بنایا۔ سُستی اور سہل انگاری سے انسان قدروں کو پامال کرتا ہے۔ لوگوں کا دستِ نگر ہو کر اپنی عزتِ نفس کو خراب کرتا ہے۔ اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کو اپنا رازق سمجھ کر دستِ سوال دراز کرتا ہے۔ چیونٹی سے زیادہ اپنے آپ کو حقیر کر لیتا ہے جبکہ چیونٹی اپنا رزق خود تلاش کرتی ہے، مگر انسان نے ذلیل جانور کی طرح خود کو بھکاری اور خوشامد کرنے والا بنا لیا ہے۔ انسانوں کی یہ طبقاتی تقسیم دیکھ کر روح چھلنی ہو جاتی ہے۔ ایک طرف تو امراء اور ان کی پُرآسائش زندگی اور دوسری طرف انسانوں کی تذلیل کو ذریعۂ معاش بنانے والے ذلیل ترین لوگ جنھوں نے دنیا کو ہی انسانوں کے لیے جہنم بنا دیا ہے۔

گداگری کے بڑھتے ہوئے ناسور کا اگر مناسب سدِباب نہ کیا گیا تو آنے والے وقت میں ہر کوئی محنت سے جی چراتے ہوئے اپنی عزتِ نفس کو مجروح کر کے پیسہ کمانے کو ترجیح دے گا۔ گداگری درحقیقت ہمارے معاشرے کو تباہ کر رہی ہے، جس سے محنت کی حوصلہ شکنی ہو رہی ہے اور قوم کے معمار (نوجوان) بھی اس لعنت کا بڑی تیزی سے شکار ہو رہے ہیں۔ اربابِ اقتدار اور علمائے کرام کو خاص طور پر اس معاشرتی بُرائی کی جانب توجہ دینی چاہیے تاکہ قوم کو اس بُری لعنت سے چھٹکارا دلایا جا سکے۔

سوال: 7- والد محترم کو خط لکھ کر اپنے امتحانات کی تیاری سے آگاہ کیجیے۔ (10)

جواب: کمرۂ امتحان

20 فروری 2019ء

قبلہ محترم والد صاحب!

السلام علیکم! آپ کا گرامی نامہ کل کی ڈاک سے موصول ہوا۔ آپ محترمہ امی جان اور بہن بھائیوں کی خیر و عافیت کی اطلاع پا کر دل کو اطمینان و سکون حاصل ہوا۔ آپ نے میری امتحانات میں تیاری سے متعلق دریافت فرمایا ہے۔ الحمد اللہ آپ کی دعاؤں سے میری امتحانات کی تیاری بہت اچھی جا رہی ہے۔ مجھے اس ضمن میں اپنی ذمہ داری کا پورا پورا احساس ہے۔ میں پوری دل جمعی کے ساتھ اپنی پڑھائی میں مصروف ہوں اور اپنی طرف سے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کروں گا۔ میں اس حقیقت کو خوب سمجھتا ہوں کہ تعلیم ہی اصل زیورِ انسانیت ہے۔ میں اس زیور سے اپنے آپ کو مکمل طور پر آراستہ و پیراستہ کرنا چاہتا ہوں۔ میں اپنے مستقبل کو سنوارنا اور اپنے خاندان کا نام روشن کرنا چاہتا ہوں۔ ملک و قوم اور انسانیت کی خدمت میرا مقصدِ حیات ہے۔

میں نے امتحان کی تیاری کے لیے باقاعدہ نظام الاوقات بنایا ہوا ہے۔ میں صبح سویرے اٹھ کر سب سے پہلے نمازِ فجر باجماعت ادا کرتا ہوں۔ پھر میں کچھ دیر تلاوتِ قرآنِ مجید کرتا ہوں اور اس کے بعد تھوڑی سی سیر اور ورزش کرتا ہوں۔ کچھ وقت پڑھائی کرتا ہوں۔ پھر ناشتہ کے بعد کالج چلا جاتا ہوں اور وہاں مصروف وقت گزارتا ہوں۔ شام کو کچھ وقت کھیلتا ہوں اور پھر رات کا کھانا کھانے کے بعد تین چار گھنٹے تک پڑھتا ہوں۔ میں نیند بھی پوری کر لیتا ہوں اور اپنی صحت کا خاص خیال رکھتا ہوں۔ سختی کے ساتھ اس نظام الاوقات پر عمل کرتا ہوں اور نماز پابندی سے ادا کرتا ہوں۔

مجھے ہر دم آپ کی دعاؤں کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور آپ کی دعا سے ان شاء اللہ میں امتحان میں اول پوزیشن حاصل کر کے آپ کی توقعات پر پورا اتروں گا۔ امی جان کی خدمت میں مئودبانہ سلام اور تمام بہن بھائیوں کو سلام و پیار۔

آپ کا بیٹا

الف۔ب۔ج